بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ رب العزت کا وہ دین جو آج بطور امانت ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ وہی دین ہے جو آغاز انسانیت سے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ یہ وہی دین ہے جس کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام دعوت دیتے رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْکَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ [الشوریٰ: ۱۳] ''تمہارے لئے (اللہ تعالیٰ نے) وہ دین مقرر فرمایا ہے جس کی وصیت نوحؑ کو فرمائی اور جو ہم نے آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف وحی کیا اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کی کہ دین کو قائم کریں اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔''

اللہ تعالیٰ کے دین کے مقابلے میں شرک وکفر اور فسق و فجور بھی شروع سے تسلسل کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ اگر تاریخ اور اقوام و ملل کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح دین ایک جیسا رہا ہے اسی طرح شرک وکفر کا مزاج آج بھی وہی ہے جو آج سے چودہ سو برس قبل اور پھر اس سے بھی ہزاروں برس پہلے تھا، لہٰذا غیر مسلم اقوام کو دعوت دینے کے لئے وہی اصول و مبادی ہمارے لئے رہنما ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے اپنائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے اپنے قوموں سے مذاکرات و مکالمات کا بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو دراصل ہمارے لئے تعلیم وتذکیر ہیں کہ ہم بھی دعوت کے میدان میں ان طرق اور اصول وضوابط کی پیروی کریں جو انبیاء علیہم السلام کی سنت میں پائے جاتے ہیں، اگر امتداد زمانہ اور مرور ایام سے شرک وکفر کے اسالیب اور غیر مسلم اقوام کے مزاج بدلنے والے ہوتے تو ہر نبی اور زمانے

کے لئے دعوت کا الگ اسلوب اور طریقہ کار ہوتا، جب کہ امام الانبیاء ﷺ کو رب کائنات فرمارہے ہیں: ﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ﴾ [سورۃ النحل آیت: ۱۲۳] ''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ابراہیم علیہ اسلام کی ملت کی پیروی کریں جو کہ (اللہ کے لئے) یکسو تھے۔''

آج بھی وہی صورتحال ہے جو چودہ سو برس قبل مکۃ المکرّمہ میں اعلان نبوت کے وقت نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درپیش تھی۔ یہ بات اپنی جگہ پر مسلمہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد آج بہت بڑی ہے وسائل بے پناہ ہیں مگر جہاں تک غیر مسلموں کے سامنے اپنا موقف پیش کرنے اور انہیں قائل کرنے یا پھر ان کی طرف سے محاذ آرائی کا اندیشہ ہے تو آج بھی حالات کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ بلکہ آج شرک وکفر کے ساتھ ساتھ مادہ پرستی کا عفریت جس طرح منہ کھولے ہوئے ہے اس کے سامنے غیر مسلموں کو دعوت دینا اپنی جگہ پر رہا خود مسلمان ہوش وحواس کھو بیٹھے ہیں اور دین اسلام سے اس قدر بیگانہ ہوئے بیٹھے ہیں کہ سارے علماء ودعاۃ مل کر بھی ان کو دعوت دیں تو اس بگاڑ کی اصلاح کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دیتے۔ قرآن مجید نے صرف دعوت کے ان الفاظ کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا جن کے ذریعے انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آج اکثر علماء ودعاۃ حضرات نے ان الفاظ وآیات کو یاد کرکے وعظ کہنے کو دعوت کا نام دے رکھا ہے۔ بلکہ قرآن مجید یہ بتلاتا ہے کہ وہ دعوت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا آپ قوم کے سامنے کس طرح پیش کیا کرتے تھے، کس طرح ان کے اجتماعات میں دعوت کی غرض سے شرکت کرتے۔ تنہائیوں میں کیسے انہیں اپنا ہمنوا بناتے۔ ایک ایک آدمی کو تعلیم دینے میں کتنے کتنے مہینے اور سال صرف کرتے۔ کیسے ان کی گالیاں برداشت کرتے، ظلم وجبر کا مقابلہ کیسے صبر وتحمل سے کرتے۔ کیسے

ان کی ہدایت کے لئے گڑ گڑا کے دعائیں مانگتے، کیسے کمزوروں کا سامان اٹھاتے اور فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، کفر وشرک میں ڈوبے ہوؤں کو کس طرح ''یا قوم'' اے میری قوم! اے میری قوم! کے درد بھرے انداز سے مخاطب کرتے، یہ سب کام دعوت کے لوازمات ہیں، اگر یہ لوازمات نہیں ہوں گے تو دعوت بھی مؤثر نہیں ہوگی، اگر دعوت محض الفاظ اور مواعظ ونصائح کا نام ہوتی تو نبی اکرم ﷺ آیات قرآنیہ کو خانہ کعبہ میں لاکر رکھ دیتے یا جو وہاں آتا اسے سنا دیتے، اس کے لئے مال وجان اور عزت کے خطرات مول لینے کی ضرورت نہ پڑتی، مکہ کے بازاروں اور طائف کے میدانوں میں تکلیفوں کے خارزار اور اذیتوں کی سیج پر سے گزرنا نہ پڑتا۔ لیکن دعوت تو قربانیوں کا تقاضا کرتی ہے، آسائشوں کو تج دینے اور مصائب و آلام کو سینے سے لگانے کا مطالبہ کرتی ہے، **فاصبر کما صبرک اولو العزم من الرسل** ''آپ (ﷺ) صبر کریں جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا'' **واصبر وما صبرک الا باللہ** ''آپ (ﷺ) صبر کریں کہ آپ کا صبر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔''

اہل کفر کو دعوت دیتے وقت ظاہری اعتبار سے جو دنیوی شان وشوکت رکھتے ہیں ان کے مقام ومرتبہ کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے، نبی اکرم ﷺ ایسے لوگوں کی حیثیت کا خیال بھی رکھتے اور ان تک دعوت پہنچانے کے لئے خاص اہتمام بھی فرماتے، جیسا کہ آپ ﷺ نے مکۃ المکرمہ میں دعا فرمائی کہ اے اللہ! عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے کسی ایک کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما، اس دعا کے نتیجے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کا اسلام لانا اسلام اور مسلمانوں کی عزت کا باعث بنا، فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ نے جب اعلان فرمایا کہ جو خانہ کعبہ میں داخل ہو یا اپنے گھر کو بند کر کے بیٹھ رہے وہ امن میں ہوگا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ ابوسفیان کی عزت افزائی کے

لئے یہ اعلان بھی فرمادیں کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ امن میں ہوگا، کیونکہ ابوسفیان سربراہ قریش ہونے کی وجہ سے اس چیز کو پسند کرتا ہے تو آپ ﷺ نے یہ اعلان بھی فرمادیا نجد کے سردار ابوثمامہ کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قید کر کے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا تو آپ ﷺ نے اسے مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا اور اس کی خوب خاطر مدارت کی، اس سے ہر روز حال پوچھتے، وہ آگے سے بگڑ کر جواب دیتا، بالآخر آپ ﷺ نے اسے تیسرے دن رہا فرمادیا اور وہ آپ ﷺ کی خصوصی عنایات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرز زندگی کو دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔ جب آپ ﷺ دعوت کے لئے طائف تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے وہاں کے رؤسا کے سامنے اپنا پیغام رکھا، اگرچہ ان کی طرف سے خلاف توقع تشدد آمیز جواب ملا لیکن آپ ﷺ نے خصوصی طور پر انہیں دعوت پیش کی۔ جب عرب کے وفود آنے لگے تو آپ ﷺ نے وفود کے سربراہوں سے ملاقات کے لئے ایک جبہ تیار فرمایا جسے ملاقات کے وقت زیب تن فرماتے، جب آپ نے شاہان وقت کی طرف خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ بادشاہ ان خطوط کو قابل اعتناء سمجھتے ہیں جن پر مہر ثبت ہو تو آپ ﷺ نے اپنے نام کی مہر بنوائی اور خطوط میں بادشاہوں کے مقام ومرتبہ کا خیال رکھتے ہوئے پورے احترام کے ساتھ ان کو مخاطب فرمایا۔ روم کے بادشاہ ہرقل کو مخاطب فرمایا: الی ھرقل عظیم الروم ”روم کے عظیم (بادشاہ) ہرقل کی طرف۔ مصر کے بادشاہ مقوقس کو مخاطب فرمایا: الی المقوقس عظیم القبط ”قبطیوں کے عظیم (سربراہ) مقوقس کی طرف۔ ایران کے آتش پرست بادشاہ کسریٰ کو (جس نے آپ ﷺ کے خط کو پھاڑ دیا تھا) لکھا: الی کسریٰ عظیم فارس ”فارس کے عظیم (حکمران) کسریٰ کی طرف۔

الغرض آپ ﷺ نے اپنے ہر مخاطب کے مقام ومرتبہ کا خیال رکھتے ہوئے اسے وہ

احترام دیا جس کا ظاہری طور پر وہ مستحق تھا۔ دعوت میں حکمت کے اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ مخاطب کے مقام و مرتبہ کا خیال رکھا جائے، اس کے ظاہری مقام و مرتبہ کو نظر انداز نہ کیا جائے، اس لئے کہ اسلام کی حقانیت تبھی منوائی جاسکتی ہے جب کوئی سننے پر آمادہ ہوگا، اگر داعی کے انداز میں درشتی ہوگی تو اس کی بات بے شک مدلل ہو، مگر کوئی سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوگا۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اہل کفر کو دعوت دیتے وقت ان کا احترام کوئی مصنوعی چیز نہیں کہ صرف اوپر اوپر سے یہ انداز اختیار کیا جائے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی تقریر، تحریر اور عملاً دعوت ہر قسم کے تصنع اور تقیہ سے بلند و برتر اور ارفع و اعلیٰ تھی۔ آپ ﷺ نے دعوت کے لئے جو اسلوب اختیار فرمایا وہ ہمارے لئے اسوہ حسنہ اور اصل الاصول ہے۔

قرآن و حدیث میں عیسائیوں کو نصاریٰ کہا گیا ہے جس کا مفرد نصرانی ہے۔ نصاریٰ یا تو ''ناصرۃ'' شہر کی طرف نسبت ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے تھے، یا شام کی بستی ''نصران'' کی طرف۔ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام ''عیسیٰ الناصر'' کی طرف یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول **''من انصاری الی اللہ''** کی طرف۔ (تفسیر القرطبی، جلد ۱ صفحہ ۳٦۹)۔ ہمارے ہاں انہیں عیسائی کہا جاتا ہے اور ان کے دین کو عیسائیت اور عربی میں ان کے دین کو ''نصرانیہ'' سے یاد کیا جاتا ہے۔

عیسائی اہل کتاب ہیں۔ اس نسبت سے انہیں اکثر دفعہ ''اہل کتاب'' کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے، یہ انہیں مخاطب کرنے کا بہترین انداز ہے جس میں انہیں باور کرایا جا رہا ہے کہ انہیں الحاد اور لادینیت سے اپنے مذہب کو آلودہ نہیں کرنا چاہئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل کے وارث ہونے کا شرف بخشا ہے، تو انہیں اپنی کتابوں میں موجود ان پیشگوئیوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو نبی اکرم ﷺ کے متعلق موجود ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کیا گیا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ﴾ (الصف : ٦)... ''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلے تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔''

عیسائیوں کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے دلائل و براھین کے ساتھ ساتھ اچھا انداز اپنانے کی ضرورت ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰھُنَا وَاِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (العنکبوت : ٤٦) ''اہل کتاب سے نہ بحث کرو مگر اچھے انداز سے، مگر ان میں سے وہ جنہوں نے ظلم کیا اور تم باور کراؤ کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور جو تمہاری طرف نازل کی گئی، ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔''

قرآن مجید میں بہتر انداز سے مجادلے کا حکم دیا گیا ہے۔ مجادلہ دلائل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ مجادلہ بھی ان کو دین کی دعوت دینے کے لئے ہے۔ بحث برائے بحث سے اجتناب کرنا چاہئے، البتہ ان میں سے جو ظلم کرنے والے ہیں ان کو ظلم کا جواب قوت و طاقت سے دیا جائے گا کیونکہ ظلم و ستم اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو تو دلائل کوئی نہیں سنتا، لیکن نہ ہر جگہ پر ظلم ہوتا ہے اور نہ سارے اہل کتاب کو ظالم کہا جا سکتا ہے، اس ظلم سے مراد مسلمانوں پر ظلم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق میں تو سارے اہل کتاب کفر کی وجہ سے ظالم ہیں ہی۔

اس آیت میں ہمیں سمجھایا جا رہا ہے کہ ان کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے ان پر واضح

کرنا چاہئے کہ ہم جس طرح قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب مانتے ہیں اسی طرح تمہاری طرف نازل ہونے والی تورات وانجیل کو بھی مانتے ہیں۔ ہمارے دین میں تعصب نہیں۔ جب ہم سب کتابوں کو مانتے ہیں تو کتابوں والے انبیاء علیہم السلام کو بھی یقیناً مانتے ہیں، انبیاء علیہم السلام میں تفریق اہل کتاب کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو جب تک تمام انبیاء ورسل پر ایمان نہ لایا جائے اس وقت تک کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ (النساء: ۱۵۲) ... ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر اور انہوں نے اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کی (یعنی سب پر ایمان لائے) عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اجر عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔''

عیسائیوں پر یہ واضح کرنا چاہئے کہ جس طرح اپنے اپنے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف اور نبی اکرم ﷺ قیامت تک آنے والے جن وانس کی طرف مبعوث کئے گئے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے ہر زمانے میں ہر قوم کی طرف انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا:

﴿ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ (الرعد: ۷) ... ''اور ہر قوم کی طرف ہدایت دینے والے آئے۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ بغیر حجت تام کیے کسی کو عذاب نہیں دیتا، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد غیر معمولی ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے ۳۱۳ بتائی اور انبیاء کی تعداد پوچھی گئی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار بتلائی۔ (ان روایات کی اسناد ضعیف ہیں) الغرض یہ بات تو طے شدہ ہے کہ ہر دور میں انبیاء ورسل کی بعثت

ہوتی رہی اور ان کی تعداد غیر معمولی ہے۔ اس وقت صرف ایک اسلام ایسا مذہب ہے جس کے متبعین تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی ایک کی ادنیٰ سی توہین کو بھی تمام انبیاء علیہم السلام کی توہین پر محمول کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے علاوہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہیں۔ ان میں سے یہودیوں کا انبیاء کے ساتھ سلوک کیا رہا؟ وہ خود بھی جانتے ہیں اور قرآن مجید بھی بیان کرتا ہے، باوجود اس کے کہ ان کی طرف مبعوث کیے گئے انبیاء ان کی اپنی ہی برادری ''بنی اسرائیل'' سے تھے، مگر وہ پھر بھی انہیں قتل کرتے رہے جبکہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو الوہیت میں تبدیل کر دیا، رسالت کا صحیح تصور جو ہونا چاہئے تھا وہ ان میں پیدا نہ ہوسکا، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں انبیاء علیہم السلام کی توہین کوئی جرم نہیں۔ عیسائی ممالک میں انبیاء کے مجسمے عام ملیں گے۔ عربی لغت کی مشہور کتاب ''المنجد'' جس کا مؤلف عیسائی ہے، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے مجسمے کی تصویر دی گئی ہے اس میں ان کی شرم گاہ بھی دکھائی گئی ہے۔ یہ مجسمہ بنانے والا بھی اٹلی کا مشہور ادیب اور مؤرخ عیسائی ہے۔ پھر ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک کمانڈر کی بیوی سے شادی کرنے کے لئے جس پر وہ فریفتہ تھے، اس کے شوہر کو قتل کروادیا۔ (المنجد فی الاعلام : ص،۱۲٤) .. اسلام میں اس قسم کی زبان درازی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق المنجد کا مؤلف لکھتا ہے کہ وہ محض بادشاہ تھے۔ ان کی نبوت و رسالت کو عیسائی تسلیم ہی نہیں کرتے، غالباً یہ یہودی پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے کیونکہ یہودی حضرت سلیمان علیہم السلام سے نالاں تھے اس لئے انہیں نبی نہیں مانتے۔ ان کے پروپیگنڈہ سے عیسائی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، ایک طرف عیسائیوں کا اپنے انبیاء کے ساتھ یہ سلوک اور دوسری طرف مسلمانوں کے ہاں حضرت

داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر ایمان اور ان کا احترام، کیا یہ اسلام کے سچے اور عادلانہ مذہب ہونے کی دلیل نہیں؟

آج مسلمانوں پر جو افتاد پڑی ہے اس کا سبب اگرچہ عیسائی ہیں مگر ان کی تمام کارروائیوں کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ ہے، حالانکہ یہودی تو وہ قوم ہے جس نے حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی تھی کہ بغیر باپ کے بیٹا کیسے پیدا ہوگیا۔ پھر یہی وہ قوم ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش تیار کی، اپنے خیال کے مطابق یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا کر قتل کردیا اور عیسائیوں نے بھی ان کا مصلوب ہونا تسلیم کرلیا۔ آج مسلمانوں کی مخالفت میں عیسائی اپنے نبی کے قاتلوں اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت عائد کرنے والوں سے صلح کیے بیٹھے ہیں، ان کو اپنا فطری حلیف قرار دیے بیٹھے ہیں جبکہ مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جو عیسائیوں کے محسن ہیں، جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی پاکدامنی کی صفائی پیش کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی تردید کرکے یہودیوں کے دعوے کو جھوٹا قرار دیا۔ ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ﴾ (النساء : ۱۵۷) ... ''یقیناً وہ (یہودی) عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرسکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر اٹھالیا۔'' اب چاہیے تو یہ تھا کہ عیسائی مسلمانوں کا ساتھ دیتے اور یہودیوں پر کبھی بھی اعتبار نہ کرتے، مگر معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی جو شان بیان کی گئی ہے، ہم یہ اقتباسات ان تک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ جس طرح حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش نجاشی کے سامنے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کے عقیدے کی وضاحت کی تو نجاشی نے زمین سے تنکا اٹھا کر کہا کہ قرآن مجید میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

شان میں اس تنکے برابر بھی تنقیص نہیں کی گئی۔ آج بھی ضرورت ہے کی عیسائیوں کے سامنے مسلمانوں کا انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدہ واضح کیا جائے، یہودی آج عیسائیوں کو اپنے قریب کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں، اپنی سیاہ کاریوں پر انہوں نے ایسے پردہ ڈالا ہے کہ حال ہی میں ''پوپ'' نے یہاں تک اعلان کر دیا میں عیسائیت کی طرف سے یہودیوں کو عیسیٰ علیہ السلام کا قتل معاف کرتا ہوں۔ یہ ایسا اعلان ہے جس کو نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور خود عیسائیوں کا دین، یہ سب کچھ یہودی پروپیگنڈے اور ان کی عیاریوں کا نتیجہ ہے، جبکہ قرآن مجید تو یہ کہتا ہے: ﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ﴾ (المائدة : ۸۲) ... ''اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔'' اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے مسلمانوں کے قریب ہونے کے اسباب و مواقع اور چانسز موجود ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، کیونکہ فی الواقع جب ہم یہودیوں اور مشرکین کے مقابلے میں دیکھتے ہیں تو آج سب سے زیادہ اسلام قبول کرنے والے عیسائی ہیں۔ عیسائیوں میں بڑے بڑے نامی گرامی اور بین الاقوامی شہرت کے حاملین بہت سارے افراد نے اسلام قبول کیا، حالانکہ کے ان کے سامنے اس طرح کسی نے اسلام کو پیش نہیں کیا جس طرح ہماری ذمہ داری تھی۔ ان میں اکثر ذاتی ریسرچ اور تقابل ادیان کے نتیجے میں اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر مسلمان بین الاقوامی سطح پر اپنے گرے ہوئے تشخص کو بحال کرنے کی کوشش کریں اور دلائل کے ساتھ اسلام کی حقانیت کو پیش کریں تو عیسائی دنیا میں اسلام کا غلغلہ بلند ہو سکتا ہے۔ عیسائیت کو اسلام سے متنفر کرنے میں آج سب سے بڑا سبب مسلمانوں کی معاشرتی اور اقتصادی حالت ہے۔ ہمارے معاشرے میں اتنی خرابیاں پائی

جاتی ہیں کہ دیکھنے والا اگر اسلام سے متاثر ہو بھی جائے تو اسے مسلمانوں کی ابتر حالت کی وجہ سے اسلام قبول کرنے میں انقباض ہوگا۔ عیسائیت کا مزاج کیا ہے، قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں اسے سمجھنا ضروری ہے تا کہ مؤثر طریقے سے دعوت پیش کی جا سکے۔

قرآن مجید نے بہت سارے امور کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن کی روشنی میں اگر عیسائیوں سے گفتگو کی جائے تو مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، خصوصاً وہ مسلمان جو مغربی معاشرے میں رہ رہے ہیں یا جو پاکستان اور دیگر ممالک میں جہاں عیسائی اقلیت میں ہیں انہیں دعوت دینا چاہتے ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ قرآن مجید کی وہ آیات مبارکہ جن میں عیسائیوں کے عقائد بیان کئے گئے ہیں ان میں غور و فکر کریں۔

عیسائی مذہب میں جو چیز نمایاں ہے وہ ''غلو'' ہے۔ غلو ایک ایسی بیماری ہے جس کا علاج بہت مشکل ہے، کیونکہ غلو کرنے والا اپنے آپ کو سب سے افضل اور پارسا سمجھتا ہے، جیسا کہ مسلمانوں کے ہاں وہ گروہ جو تعظیم میں غلو کا شکار ہو چکے ہیں۔ اگر انہیں اعتدال کی طرف لوٹنے کی دعوت دی جائے تو وہ فوراً ''گستاخی'' کے القاب سے نوازنا شروع کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ غلو کو اصل دین سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ قرآن مجید اس غلو کو راہ حق سے دوری قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ (النساء: ۱۷۱)... ''اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اور اللہ کی نسبت وہی بات کہو جو حق ہو۔ عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ تھے جسے اللہ نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور وہ اسی کی طرف سے ایک روح تھے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ

نہ کہو کہ (الٰہ) تین ہیں، اس بات سے باز آ جاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ صرف اللہ اکیلا ہی الٰہ ہے، وہ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہو۔"

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ **قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ** ﴾ (المائدۃ : ۷۷) ... "کہہ دیجئے اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کے پیچھے چلو جو پہلے ہی گمراہ ہیں اور بہت لوگوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹک چکے ہیں۔"

ان دونوں آیات میں اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں، قرآن مجید نے ان کے غلو کو گمراہی قرار دیا ہے حالانکہ وہ اپنے خیال کے مطابق اسے اصل دین سمجھتے تھے۔ اسی غلو کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقام الوہیت پر فائز کر دیا، کبھی اللہ کا بیٹا قرار دیا کبھی "**اقانیم ثلاثہ**" یعنی تین معبودوں کا تصور پیش کر کے تیسرا معبود قرار دیا۔ کہیں انہیں عین "الٰہ" قرار دیا۔

اسی طرح غلو کے نتیجے میں انہوں نے "رہبانیت" اپنالی اور عبادات میں حقوق انسانی کو طاق نسیان پر رکھ دیا، پھر اس پر پورا بھی نہ اتر سکے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا** ﴾ (الحدید : ۲۷)... "اور رہبانیت کو انہوں نے خود ہی ایجاد کر لیا۔ ہم نے اسے فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی رضا چاہنے کے لئے انہوں نے اسے اپنایا، پھر وہ صحیح معنوں میں اس کی نگہداشت بھی نہ کر سکے۔"

غلو کا ہی نتیجہ ہے انہوں نے صلیب کی پوجا شروع کر دی، حالانکہ عقلاً بھی یہ معیوب ہے کہ جو چیز ان کے محبوب پیغمبر کی موت کا سبب ہے (بزعم ایشاں) وہ اسے پوجتے ہیں حالانکہ اس سے نفرت کا اظہار کرنا چاہئے تھا، چونکہ غلو ایسی بیماری ہے کہ خود بیمار کو بھی پتہ نہیں چلتا۔

اعتدال اور غلو میں فرق معلوم کرنا ہو تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے سفید رنگ میں حد سے زیادہ اضافہ ہو جائے تو وہ ’’برص‘‘ کہلائے گا اور خوبصورتی کو بدصورتی میں تبدیل کر کے رکھ دے گا۔ بعینہ اسی طرح ’’غلو‘‘ نے عیسائی مذہب کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

عیسائیت میں غلو کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن مجید نے بیان فرمایا کہ: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبه : ۳۰) ’’انہوں نے اپنے علماء اور صوفیاء کو اللہ تعالیٰ کی بجائے رب بنا لیا۔‘‘ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو عیسائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوئے تھے عرض کرنے لگے، اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم تو احبار و رہبان کو رب نہیں بناتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ایسے نہیں کہ جس چیز کو احبار و رہبان حلال کر دیں خواہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال نہ کیا ہو، تم اسے حلال کر لیتے ہو اور اسی طرح کسی حلال کو حرام کر لیتے ہو۔ عرض کی کہ یہ تو ہم کرتے تھے۔ فرمایا یہ ان کو رب بنانا ہی تو ہے۔

اب اگرچہ عیسائی مذہب کو خود اس کے ماننے والوں نے حکومت سے جدا کر دیا ہے، مگر غلو اسی طرح موجود ہے، بلکہ پہلے سے بھی بڑھ چکا ہے کہ مذہبی راہنماؤں کو پہلے ’’فادر‘‘ کا درجہ دیا پھر انہیں وہ اختیار سونپ دیئے جو رب کائنات کے سوا کسی کے پاس نہیں کہ وہ جس کے گناہ چاہے معاف کر دے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت غلو کی یہ صورت موجود نہ تھی۔ یہ بھی عقل کے خلاف ہے کہ انسان اپنے جیسے انسانوں کے گناہ معاف کر دے۔ یہ نظریہ تو قیامت کے دن حساب و کتاب کے تصور کی بالکل نفی کر رہا ہے۔ اسے نظریہ کی بنیاد پر آج ’’بش‘‘ اور اس کے ہم مذہب انسانیت کو خاک و خون میں تڑپا رہے ہیں۔

اسی طرح ’’تثلیث‘‘ تین معبودوں کا تصور بھی غلو کا نتیجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت

مریم علیہما السلام کی محبت میں غلو کرتے ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا گیا۔ چونکہ عیسائی مذہب میں بھی عقیدہ توحید کا تصور موجود ہے، لہٰذا وہ شروع دن سے تثلیث کو توحید ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں مگر آج تک یہ منطق کسی کی عقل میں نہیں آئی کہ بیک وقت کوئی تین بھی ہو اور ایک بھی۔

یہ ایک ایسا مخمصہ ہے جس نے پوری عیسائیت کو مشکل میں ڈالا ہوا ہے۔ یہ عقیدہ لاینحل ہونے کی وجہ سے بہت سارے عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ بہت سارے عیسائی اس فلسفے سے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان ہو چکے ہیں کہ ''فادر'' جو خود گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے وہ دوسروں کے گناہ کیسے معاف مر سکتا ہے؟ پھر یہ کہ اس کے گناہ کون معاف کرتا ہے؟ علیٰ ھذا القیاس سب سے بڑے ''فادر'' کے گناہ کون معاف کرتا ہے۔ اگر منطقی اعتبار سے عیسائی عقائد کا جائزہ لیا جائے تو ان کا ہر نظریہ عقل کے سراسر خلاف ہے۔ مغربی دنیا میں عیسائیوں کے مسلمان ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ کوئی باشعور عیسائی اپنے مذہب کے موجودہ نظریات سے عقلی طور پر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ ان سے بحث کرتے وقت اگر عقل کو ہی فیصل ٹھہرا لیا جائے تو کوئی عیسائی اپنے مذہب کو سچا ثابت نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید میں عیسائیوں کو جو دعوت دی گئی ہے وہ ان کے مزاج کے عین مطابق اور ان میں پائے جانے والے غلو کا بہترین علاج ہے۔ قرآن مجید میں عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے سب سے پہلے انہیں ان کے اپنے عقیدے کی اساس کی طرف لوٹنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بنیادی دعوت کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی گئی ہے: ﴿ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ ۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾

(آل عمران : ٦٤)... ''اے اہل کتاب! ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے وہ یہ کہ (۱) ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں (۲) کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں (۳) اور ہم سے کوئی کسی کو رب کا درجہ نہ دے، اگر یہ لوگ (اس کلمے سے) اعراض کریں تو آپ کہہ دیں گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔''

معلوم ہوا کہ انجیل میں بھی وہی دعوت توحید ہے جو قرآن مجید میں ہے اور عیسائی اس کا انکار نہیں کر سکتے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت و تعظیم میں غلو کی بنا پر شرک میں مبتلا ہو گئے، پھر اس شرک کو عین توحید سمجھ بیٹھے، تو قرآن مجید نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ شرک شرک ہی ہے بے شک اس کا نام توحید رکھ لیا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کے تین گروہ تھے۔ ایک گروہ انہیں عین اللہ کہتا تھا، دوسرا اللہ کا بیٹا کہتا تھا اور تیسرا گروہ انہیں تین الٰہوں میں سے ایک الٰہ قرار دیتا تھا۔ قرآن مجید نے ان تینوں نظریات کی تردید فرمائی: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ (المائدة : ١٧) ... ''ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ مسیح بن مریم ہی ہے، کہہ دیجئے اللہ کو کون روک سکتا ہے اگر مسیح بن مریم، ان کی والدہ اور سب زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے؟'' معلوم ہوا کہ جو اپنے آپ اور کسی کو موت سے نہیں بچا سکتا وہ معبود کہلانے کا حق نہیں رکھتا۔ دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ (المائدة : ٧٣) ... ''بلاشبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تینوں میں سے تیسرا ہے جبکہ ''الٰہ'' تو صرف اور صرف ایک ہے۔'' معلوم ہوا کہ توحید اور تثلیث ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تثلیث کو کسی طرح بھی توحید تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والے گروہ کی تردید ان الفاظ سے فرمائی: ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ط كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾ (المائدۃ : ۷۵)... ''مسیح بن مریم تو رسول ہیں جیسا کہ ان سے پہلے رسول گزر چکے اور ان کی ماں صدیقہ ہیں، دونوں (ماں، بیٹا) کھانا کھاتے تھے۔'' قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیگر رسل کی طرح ایک رسول کہتا ہے۔ عیسائی جب دیگر رسل کو اللہ کا بیٹا نہیں کہتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے بیٹے ہو گئے؟ اللہ تعالیٰ تو انسانی عوارض سے منزہ و مبرا ہے وہ تو کھانا نہیں کھاتا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کھانا کھاتے تھے۔

توحید کے منافی عیسائی نظریات کی تردید کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو بہت زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ اگر اسلام سچا مذہب نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو بیان نہ کرتا۔ عیسائی اگر قرآن مجید کے ان مقامات پر بھی غور کریں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کی والدہ کی طرف منسوب یہودیوں کے اتہامات اور خود ان کی نسبت قتل اور صلیب کے جھوٹے دعووں کی کس طرح تردید کی گئی ہے تو یہی چیز اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ پھر قرآن مجید کے بیان کردہ حقائق بھی وہ ہیں جنہیں وحی الٰہی کے علاوہ اور کہیں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور مصلوب ہونے کی تردید۔ اس کی خبر اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں دے سکتا، کیونکہ اس وقت موجود یہودیوں اور عیسائیوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کا علم نہ ہو سکا۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ﴾ (النساء : ۱۵۷) ''وہ نہ قتل کر سکے اور نہ سولی دے سکے بلکہ ان کے لئے ایک آدمی پر عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت ڈال دی گئی۔'' یعنی جس آدمی کو انہوں نے صلیب پر لٹکایا وہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور

شخص کو ان جیسا کردیا اور یہودیوں نے اسے ہی پکڑ کر (جو منافق تھا) سولی پر لٹکا دیا۔ یہاں پر عیسائی بھی اسلام کی صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ان کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا بڑی شدت سے انتظار کیا جارہا ہے اور مشنریز اس کے لئے لوگوں کو ذہنی طور پر آمادہ کرنے میں مصروف ہیں۔ نزول عیسیٰ تب ہی ممکن ہے جب ان کا زندہ اٹھایا جانا تسلیم کیا جائے۔ ان کو مقتول یا مصلوب تسلیم کر لینے کے بعد ان کے نزول کی امید رکھنا عبث ہے۔

قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تصدیق کرتا ہے جو خود قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے لیکن ان معجزات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے:

﴿ اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران : ٤٩)..."بے شک میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور علاج کرتا ہوں مادرزاد اندھے اور برص والے کا اور زندہ کرتا ہوں مُردوں کو اللہ کے حکم سے۔" یعنی ان کے معجزات بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع تھے۔ معلوم ہوا کہ کوئی نبی بھی اپنی مرضی سے معجزے کو استعمال نہیں کرسکتا جب تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے ہم نے کہا کہ اپنا عصا جادوگروں کے مقابلے میں ڈال دو۔ (طٰہٰ: ٦٩) ...ہم نے کہا پانی حاصل کرنے کے لئے پتھر پر عصا مارو۔ (الاعراف : ١٦٠) ...ہم نے کہا کہ راستہ حاصل کرنے کے لئے اپنا عصا سمندر پر مارو۔ (الشعراء : ٦٣) ...ایک طرف یہ حقیقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معجزے کو اپنی مرضی سے ظاہر نہیں کرسکتے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کا اذن نہ آجائے۔ مگر افسوس کہ ہمارے ہاں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اولیاء اپنی مرضی سے جو چاہیں کرسکتے ہیں اور تصرف فی الامور

پر قادر ہیں۔ قرآن مجید کے بیان کردہ عقیدے اور ہمارے اپنے بنائے ہوئے عقائد میں کس قدر تفاوت پایا جاتا ہے؟

قرآن مجید کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بیان کرنا ان کے مقام رفیع کی طرف اشارہ ہے، اور معجزات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع قرار دینا اس غلو کا علاج ہے جو عیسائیوں اور خود بہت سارے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔

قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان کرتے ہوئے انہیں ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح اللہ'' کا لقب دیتا ہے۔ ''کلمۃ اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ ''کن'' سے وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور ''روح اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ روحوں میں سے ایک ایسی روح ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام کے پھونک مارنے سے حضرت مریم علیہا السلام میں سرایت کر گئی۔

قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شمار ان پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں کرتا ہے جن کا مقام تمام انبیاء و رسل میں سب سے اونچا ہے۔ اور وہ ہیں: حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، اور حضرت محمد (علیھم وعلی نبینا صلوات اللہ و سلامہ) اس کا تذکرہ سورۃ الاحزاب آیت ۷، سورۃ الشوریٰ آیت ۱۳ اور سورۃ الاحقاف آیت ۳۵ میں کیا گیا ہے۔

عیسائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کی تلقین فرمائی ہے جس کا تذکرہ سورۃ آل عمران آیت ۸۴ اور سورۃ النساء ۱۵۰، ۱۵۲ اور ۱۶۳۔۱۶۶ میں فرمایا ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں اور کسی ایک کی توہین یا تکذیب تمام انبیاء کی توہین اور تکذیب پر محمول کرتے ہیں، اسی طرح عیسائیوں کو بھی چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مطابق اللہ تعالیٰ

کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آئیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۃ الصّف آیت ۶ میں کیا گیا ہے: ﴿ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾ ''اور میں بشارت دینے والا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔''

یوحنا کی انجیل کے باب ۱۴ میں یہ بشارت ان الفاظ میں ہے: ''اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری نصیحت یاد رکھو۔ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں فارقلیط دے جو قیامت تک تمہارے ساتھ رہے۔'' فارقلیط کا معنیٰ محمد یا احمد ہے لوراس سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں جن کی نبوت ورسالت قیامت تک رہنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام انسانوں کو ہدایت دے کہ وہ اس کی توحید پر اور اس کے آخری نبی ﷺ کی رسالت پر اس طرح ایمان لائیں جیسا ایمان لانے کا حق ہے، تا کہ وہ اس کے عذاب سے بچ سکیں۔ آمین